© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

ایک صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"سورۂ احزاب میں حضرت زید بن حارثہ اور حضرت زینب رضی اللہ عنہما کا جو واقعہ بیان ہوا ہے اس کے سلسلہ میں ایک اہم شبہہ پیدا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے فرمایا اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ (اپنی بیوی کو اپنی زوجیت میں رہنے دے اور اللہ سے ڈر)۔ مگر حضرت زید نے اس حکم نبوی کی خلاف ورزی کی اور حضرت زینب کو طلاق دے دی۔ اس فعل کے خلاف حکم ہونے میں تو کوئی شبہہ نہیں اور قرآن کے انداز بیان میں صراحتًہ یا کنایتًہ ایسی کوئی بات بھی نہیں پائی جاتی جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زید کی اس سرتابی کو کسی ادنیٰ درجہ میں بھی ناپسند کیا ہو، بلکہ بیان واقعہ کی ابتدا میں ان کا ذکر لِلَّذِيْٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ (جس پر اللہ نے انعام کیا) کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس سے شبہہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ نبی کے حکم کی خلاف ورزی بھی کی جا سکتی ہے، اور نبی کا قول اگر ثابت بھی ہو جائے کہ نبی ہی کا قول ہے تب بھی وہ اس طرح واجب الاطاعت نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان واجب الاطاعت ہے۔"

سوال میں کوئی پیچیدگی نہیں، چند لفظوں میں شبہہ کو رفع کیا جا سکتا تھا لیکن دراصل یہ شبہہ جہاں سے پیدا ہوتا ہے وہاں متعدد غلط فہمیوں کا منبع ہے، اور ان غلط فہمیوں کا سلسلہ دور تک پہنچا ہوا ہے، اسلئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہہ کو رفع کرنے کے ساتھ اس کی اصل اور اس کے فروع کی طرف بھی کچھ اشارات کر دیے جائیں۔

قرآن حکیم تمام آسمانی کتابوں سے زیادہ صراحت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتا ہے کہ حاکم مطلق بجز اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں۔ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ صرف اسی کو یہ حق ہے کہ جیسا چاہے حکم دے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ۔ وہی ایک ایسا حاکم ہے جس کے احکام میں کسی چون وچرا کی گنجائش نہیں لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ۔ اطاعت دراصل اسی کی فرض ہے اور اس لیے فرض ہے کہ انسان اپنی عین خلقت کے لحاظ سے اس کا بندہ ہے اور صرف اسی کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ اس کے سوا انسان نہ کسی کا مخلوق ہے، نہ مربوب ہے، نہ بندہ ہے، اس لیے فی الاصل کسی انسان پر کسی دوسرے انسان کی اطاعت فرض نہیں یَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ کسی انسان کو نہ تو دوسرے انسان پر حاکمیت مطلقہ حاصل ہے، اور نہ کسی انسان پر یہ واجب کیا گیا ہے کہ خدا کے سوا کسی اور کے حکم کی اطاعت کرے محض اس بنا پر کہ وہ اس خاص شخص کا حکم ہے۔

قرآن کے نزول کا اصلی مقصد یہی ہے کہ انسان کی گردن سے غیر اللہ کی اطاعت کا قلادہ نکال دے اور مطاع حقیقی کا بندہ بنانے کے بعد اس کو رائے اور ضمیر کی پوری آزادی عطا کرے چنانچہ انسانی غلامی کے خلاف سب سے بڑھ کر جس کتاب نے جہاد کیا ہے وہ قرآن ہی ہے۔ یہ کتاب کسی انسان کا یہ حق تسلیم نہیں کرتی کہ بطور خود اس کے حلال کیے ہوئے کو حلال اور اس کے حرام کیے ہوئے کو حرام سمجھا جائے۔ اور اس کے امر و نہی کی اس طرح اطاعت کی جائے کہ گویا وہ اپنے محکوموں کے لئے بمنزلۂ خدا ہے اس قسم کی اطاعت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محکومی کو قرآن شرک کا ایک شعبہ قرار دیتا ہے، اور جو لوگ اپنے احبار و رہبان اور مذہبی پیشواؤں اور دنیوی حاکموں کو اربابٌ من دون اللہ بنا لیتے ہیں، انہیں مشرک ٹھیراتا ہے، کیونکہ انسان جب کبھی کسی انسان کی ایسی اطاعت کریگا، تو لامحالہ اس کی تہ میں الوہیت کا تصور اور عبودیت کا جذبہ ہی کارفرما ہوگا۔ ایک انسان دوسرے انسان کے مقابلہ میں اپنے دل اور دماغ اور روح اور جسم کی آزادی سے کلیۃً دست بردار ہوتا ہی اس وقت ہے جب وہ اس کو یا تو خطا سے بری اور عیوب و نقائص سے منزہ اور جزو کل کا عالم سمجھ لیتا ہے، یا یہ سمجھتا ہے کہ وہ بالذات امر و نہی کا مالک ہے اور اسے حکومت کا طبعی حق حاصل ہے۔

یہ مقدمہ ذہن نشین کر لینے کے بعد اب اس امر کی تحقیق کیجیے کہ نبی کی اطاعت جو اسلام میں فرض کی گئی ہے، اور جس پر دین کا مدار ہے، کس حیثیت سے ہے؟ یہ اطاعت اس حیثیت سے ہرگز نہیں ہے کہ نبی وہ خاص شخص مثلاً ابن عمران، یا ابن مریم یا ابن عبداللہ ہے، اور یہ شخص خاص ہونے کی بنا پر اس کو امر و نہی اور تحلیل و تحریم کا ذاتی حق حاصل ہے۔ اگر ایسا ہو تو معاذ اللہ نبی خود بھی اربابٌ من دون اللہ میں سے ایک ہو جائے گا، اور اس طرح خود اسی کے ہاتھوں اس کا مقصد بعثت فوت ہو کر رہے گا۔ قرآن نے اس مسئلہ کو نہایت واضح الفاظ میں صاف کر دیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ذاتی حیثیت میں تو نبی ویسا ہی ایک بشر ہے جیسے تم بشر ہو۔ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا - وَقَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ البتہ نبی ہونے کی حیثیت سے اس میں اور تم میں عظیم الشان فرق ہے۔ اس کو خدا کی طرف سے جب نبوت عطا کی جاتی ہے تو اس کے ساتھ حکم بھی عطا ہوتا ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ۔ حکم کے مفہوم میں قوت فیصلہ اور اقتدار حکومت (اتھارٹی) دونوں شامل ہیں۔ پس نبی کو جو اقتدار حاصل ہے وہ خدا کا دیا ہوا اقتدار ہے، اس لیے اس کی اطاعت دراصل خدا ہی کی اطاعت ہے۔ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ وہ بھیجا ہی اس لیے جاتا ہے کہ خدا کی طرف سے تم پر حکومت کرے اور تم اس کی اطاعت کرو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ اس حیثیت میں اس کا حکم خدا کا حکم ہے اور کسی کو اس میں چون و چرا کرنے کا حق نہیں۔ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا۔ عمل تو درکنار اگر دل میں بھی اس کی نافرمانی کا خیال آجائے تو قطعاً ایمان سلب ہوجاتا ہے۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا اور اس نافرمانی کا نتیجہ ابدی خسران و نامرادی ہے يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ ۔

جیسا کہ اوپر اشارہ کیا گیا یہ طاعت اور کامل سپردگی جس پر دین و ایمان کا مدار رکھا گیا ہے اور جس کے متعلق صاف کہدیا گیا ہے کہ "ہدایت بالکلیہ نبی کی اطاعت پر منحصر ہے" (وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا)، اس کا مرجع نبی کی شخصی بشری حیثیت نہیں ہے۔ کسی نبی کو اللہ نے اس لیے نہیں بھیجا کہ وہ لوگوں کو خدا کے بجائے اپنا غلام اور اپنا بندہ بنائے، بلکہ اس لیے بھیجا کہ وہ ان کو خدا کا تابع فرمان بنائے۔ مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللَّهِ وَلَٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ۔ وہ اس لیے نہیں آتا کہ لوگوں کو اپنی ذاتی خواہشات کی پیروی پر مجبور کرے، اور اپنی شخصی عظمت و بزرگی کا سکہ ان پر جمائے، اور ان کو اپنے شخصی اقتدار کے شکنجہ میں کس کر اس قدر بے بس کر دے کہ وہ اس کی رائے کے مقابلہ میں خود کوئی رائے رکھنے کے حق سے بالکل دست بردار ہو جائیں، اور اپنے دل اور دماغ کو اس کے سامنے معطل کر دیں۔ یہ تو وہی غیر اللہ کی بندگی ہے جس کو مٹانے کے لیے نبی بھیجا جاتا ہے۔ انسان کی گردن میں جتنے طوق انسان نے ڈالے ہیں ان سب کو کاٹ دینا ہی تو نبی کی بعثت کا مقصود ہے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ۔ انسان نے حلال و حرام کی من مانی حدیں مقرر کرنے کے جن اختیارات پر قبضہ کرلیا تھا ان کو سلب کرنے ہی کے لیے تو نبی مامور کیا جاتا ہے۔ وَلَا تَقُولُوا لِمَا تَصِفُ أَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هَٰذَا حَلَالٌ وَهَٰذَا حَرَامٌ۔ انسانی حکم اور انسانی فیصلہ کے سامنے سر جھکانے کی جو ذلت انسان نے اختیار کرلی تھی اس سے نجات دلانے ہی کے لیے تو نبوت قائم کی جاتی ہے۔ وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ۔ پھر کیونکر جائز ہوسکتا ہے کہ نبی ان کی گردن سے دوسروں کا طوق اتار کر اپنا طوق ڈال دے اور تحلیل و تحریم کے اختیارات دوسروں سے چھین کر خود اپنے قبضہ میں کرلے اور استبداد کی مسند سے دوسروں کو ہٹا کر خود اس پر متمکن ہوجائے۔ اس نے تو یہود و نصاریٰ کو اسی پر ملامت کی تھی کہ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ۔ پھر وہ کیسے کہتا کہ اب تم خدا کو چھوڑ کر مجھ کو رب بنالو اور میری خواہشات نفس کی پابندی کرو؟

اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے بار بار اس حقیقت کا اظہار کراتا ہے کہ اطاعت مفروضہ جو اصل ایمان ہے، اور جس سے کسی مومن کو سرتابی کیا معنی یک سر مو انحراف کا بھی حق نہیں، وہ دراصل ذات نبویہ کی اطاعت نہیں ہے بلکہ اُس علم، اس ہدایت، اس حکم اور اس فیصلہ کی اطاعت ہے جسے اللہ کا نبی خود اللہ سے حاصل کرکے اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے اور اس اعتبار سے اسلام جس اطاعت کی بندش میں انسان کو باندھتا ہے، وہ دراصل انسان کی اطاعت نہیں بلکہ خدا کی اطاعت ہے۔

إِنَّا أَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ (النساء: ۱۰۵) اے نبی ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق اتاری ہے، تاکہ تم لوگوں کے درمیان اس حق و صواب کے مطابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیصلہ کرو جو اللہ تم کو سمجھا دے۔

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ (المائدہ: ۷) — اور جو اللہ کے نازل کیے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی دراصل ظالم ہیں۔

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (الانعام: ۵) — میں تو صرف اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

یہ اور ایسی ہی بہت سی آیات اس امر پر واضح دلالت کرتی ہیں کہ اطاعت دراصل صرف حق تعالیٰ شانہٗ کی ہے؛ اور اسلام آیا ہی اس لیے ہے کہ غیر اللہ کی بندگی اور انسان پر انسان کی خداوندی کا قلع قمع کر دے۔ اسلام میں کسی انسان کی اطاعت بحیثیت انسان ہونے کے نہیں ہے۔ نبی کی اطاعت ہے تو اس بنا پر ہے کہ اللہ کی طرف سے اس کو "حکم" عطا کیا گیا ہے۔ حکام کی اطاعت ہے تو اس بنا پر کہ وہ اللہ اور رسول کے احکام کو نافذ کرنے والے ہیں۔ علماء کی اطاعت ہے تو اس بنا پر کہ وہ خدا اور رسول کے امر و نہی اور ان کے مقرر کیے ہوئے حدود سے آگاہ کرنے والے ہیں۔ اگر ان میں سے کوئی شخص خدا کا حکم پیش کرے تو مسلمان پر واجب ہے کہ اس کے آگے سر جھکا دے، وہ اس میں ہرگز کوئی چون و چرا کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ اس کو خدا کے مقابلہ میں کوئی حریت فکر اور آزادی رائے حاصل نہیں۔ لیکن اگر کوئی انسان خدا کا نہیں، خود اپنا کوئی خیال پیش کرے، تو مسلمان پر اس کی اطاعت فرض نہیں۔ وہ آزادی کے ساتھ خود سوچنے اور رائے قائم کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس کو آزادانہ اتفاق کرنے کا بھی اختیار ہے اور آزادانہ اختلاف کرنے کا بھی۔ اس معاملہ میں علماء اور ائمہ اور حکام تو درکنار، خود رسول خدا کی ذاتی رائے سے بھی اختلاف کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کا ایک حصہ یہ تھا کہ خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کا قلادہ انسان کی گردن میں ڈالدیں۔ اور دوسرا حصہ یہ تھا کہ انسان کی اطاعت و فرمانبرداری کا قلادہ اس کی گردن سے اتار پھینکیں یہ دونوں کام آپ کے مقصد بعثت میں شامل تھے اور دونوں کی اہمیت یکساں تھی پہلے کام کی تکمیل کے لیے ضروری تھا کہ نبی ہونے کی حیثیت سے آپ تمام مسلمانوں کو اپنی کامل اور غیر مشروط اطاعت پر مجبور کریں کیونکہ آپکی اطاعت ہی پر خدا کی اطاعت موقوف تھی۔ اس کے مقابلہ میں دوسرے کام کی تکمیل کے لیے یہ بھی اتنا ہی ضروری تھا کہ سب سے پہلے آپ خود اپنے عمل اور اپنے برتاؤ سے یہ حقیقت مسلمانوں کے ذہن نشین فرما دیں کہ کسی انسان کی حتیٰ کہ خود آپ کی حیثیتِ انسانیہ کی اطاعت بھی ان پر واجب نہیں ہے، اور ان کی روحیں انسان کی بندگی سے قطعی آزاد ہیں۔ یہ دراصل ایک نہایت نازک کام تھا۔ ایک ہی ذات میں حیثیتِ نبوت اور حیثیت بشریت دونوں جمع تھیں اور ان کو کسی واضح خط امتیاز کے ساتھ ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا تھا۔ مگر اللہ کے رسول پاک نے اللہ کی بخشی ہوئی حکمت سے اس کام کو بہترین طریق پر انجام دیا۔ آپ نے ایک طرف نبی ہونے کی حیثیت سے اپنی ایسی اطاعت کرائی کہ تاریخ عالم میں کبھی کسی امیر کی ایسی اطاعت نہیں کی گئی۔ اور دوسری طرف انسان ہونے کی حیثیت سے آپ نے اپنے جان نثار متبعین کو ایسی آزادی رائے عطا کی کہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے جمہوریت پسند سردار نے بھی اپنے ماتحتوں کو ایسی آزادی نہیں بخشی۔ بلکہ سچ یوں ہے کہ آپ نے جس طرح اپنے پیرووں میں حریت فکر کی روح پھونکی، اور جس طرح صحیح جمہوری اصول پر ان کی تربیت فرمائی اور جس طرح خود اپنی ذاتی آراء سے اختلاف کرنے میں اُن کی ہمت افزائی کی اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دراصل اپنی حیثیتِ انسانی میں بھی آپ جو کچھ کرتے تھے وہ بعینہٖ آپ کی حیثیتِ نبوی کے ماتحت ہوتا تھا۔ یا بالفاظ دیگر یہ بھی آپ کے فرائض نبوت کا ایک شعبہ تھا کہ آپ کچھ امور حیثیتِ انسانی میں انجام دیکر لوگوں کو سکھائیں کہ انسان کے مقابلہ میں انکو اس طرح آزادی استعمال کرنی چاہیے اور انھیں بتائیں کہ اس آزادی کا حق ان کو ہر انسان کے مقابلہ میں حاصل ہے حتیٰ کہ اُس انسان کامل،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اُس عظیم الشان شخصیت کے مقابلہ میں بھی جس سے بڑی شخصیت نہ دنیا میں کبھی پیدا ہوئی نہ کبھی پیدا ہوگی

حضور فرماتے ہیں کہ :-

اِنَّمَا انا بشرٌ اذا امرتکم بشیءٍ مِن دینکم فخذوا بہٖ واذا امرتکم بشیءٍ من رائی فانما انا بشرٌ	میں بھی ایک انسان ہی ہوں جب میں تمکو تمہارے دین کے متعلق کوئی حکم دوں تو اُسے مانو۔ اور جب میں اپنی رائے سے کچھ کہوں تو میں ایک انسان ہوں۔

ایک مرتبہ حضور نے کھجور کی کاشت کے متعلق ایک مشورہ دیا۔ لوگوں نے اس پر عمل کیا اور وہ مفید ثابت نہ ہوا۔ آپ سے عرض کیا گیا تو فرمایا :-

اِنی انما ظننت ظنًا ولا تواخِذونی بالظن ولکن اذا حدثتکم عن اللہ شیئًا فخذوا بہٖ فانی لم اکذب علی اللہ۔	میں نے تو اندازہ سے ایک بات کہی تھی۔ تم میری اُن باتوں کو نہ لو جو گمان اور رائے پر مبنی ہوں لیکن جب میں خدا کی طرف سے کچھ بیان کروں تو اس کو لو کیونکہ میں نے خدا پر کبھی جھوٹ نہیں باندھا۔

جنگ بدر کے موقع پر حضور ابتداً جہاں خیمہ زن ہوئے تھے وہ جگہ مناسب نہ تھی حضرت حباب بن منذر نے آپ سے دریافت کیا کہ اس مقام کا انتخاب وحی کی بنا پر کیا گیا ہے یا محض ایک تدبیر جنگ کے طور پر ہے؟ فرمایا وحی نہیں ہے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اگر ایسا ہے تو میری رائے میں آگے بڑھ کر فلاں مقام پر خیمہ زن ہونا چاہیے۔ حضور نے ان کی رائے کو قبول فرمایا اور اسی پر عمل کیا۔

اسیران بدر کے مسئلہ میں حضور نے صحابہ کی جماعت سے مشورہ لیا اور خود بھی ایک عام رکن جماعت کی حیثیت سے رائے دی۔ اس موقع پر حضرت عمر نے آپ کی اور صدیق اکبر کی رائے سے بے تکلف اختلاف کیا۔ اسی مجلس میں حضور نے خود اپنے داماد ابوالعاص کا مسئلہ بھی پیش کیا اور صحابہ سے فرمایا کہ اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تمہاری مرضی ہو تو ان سے فدیہ میں جو ہار لیا گیا ہے وہ انھیں واپس کر دیا جائے۔ جب صحابہ نے بخوشی اس کی اجازت دی تب آپ نے ہار انھیں واپس دیا۔

غزوۂ خندق کے موقع پر حضور نے بنی غطفان سے صلح کرنے کا ارادہ فرمایا۔ انصار کے سرداروں نے عرض کیا کہ اگر یہ ارادہ وحی کی بنا پر ہے تو مجال کلام نہیں۔ اور اگر حضور اپنی رائے سے ایسا کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس تجویز سے اختلاف ہے۔ حضور نے اُنہی کی رائے قبول فرمائی اور اپنے ہاتھ سے صلحنامہ کا مسودہ چاک کر ڈالا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر تمام مسلمانوں کو بظاہر دب کر صلح کرنا پسند نہ تھا۔ حضرت عمر نے علانیہ اس سے اختلاف کیا۔ مگر جب حضور نے فرمایا کہ یہ کام میں خدا کے پیغمبر کی حیثیت سے کر رہا ہوں تو باوجودیکہ غیرت اسلامی کی بنا پر سب ملول تھے، کسی نے دم مارنے کی جرأت نہ کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مرتے دم تک اس غلطی کے کفارے طرح طرح سے ادا کرتے رہے کہ آپ نے ایک ایسے امر میں حضور سے اختلاف کیا جو بحیثیت رسول کیا جا رہا تھا۔

جنگ حنین کے موقع پر تقسیم غنائم میں آپ نے مولفۃ القلوب کے ساتھ جو فیاضی ظاہر فرمائی تھی اس پر انصار چیں بجبیں ہوئے۔ حضور نے ان کو بلایا۔ اپنے فعل کی تائید میں یہ نہیں فرمایا کہ میں خدا کا نبی ہوں جو چاہوں کروں۔ بلکہ ایک تقریر کی جس طرح ایک جمہوری حکومت کا سردار اپنی رائے سے اختلاف رکھنے والوں کے سامنے کرتا ہے۔ ان کے ایمان بالرسالت سے اپیل نہیں کی بلکہ ان کی عقل اور ان کے جذبات سے اپیل کی اور انھیں مطمئن کر کے واپس فرمایا۔

اس قسم کی اور بہت سی مثالیں ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب قرینہ سے یا خود حضور کی تصریح سے صحابہ کو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ آپ کوئی بات اپنی رائے سے فرما رہے ہیں تو وہ آزادی کے ساتھ اس میں اظہار رائے کرتے تھے، اور آپ خود اس آزادانہ اظہار رائے میں ان کی ہمت افزائی فرماتے تھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسے مواقع پر اختلاف کرنا نہ صرف جائز تھا، بلکہ آپ کے نزدیک پسندیدہ تھا، اور آپ خود بسا اوقات اپنی رائے سے رجوع فرمالیتے تھے۔

اب حضرت زید کے واقعہ کی طرف رجوع کیجیے۔ حضور کے ساتھ ان کا تعلق صرف نبی اور امّتی ہی کا نہ تھا۔ بلکہ ایک تعلق یہ بھی تھا کہ آپ ان کے برادر نسبتی تھے اور وہ آپ کے بہنوئی تھے۔ اور ایک تعلق یہ بھی تھا کہ آپ اُن کے مربّی تھے۔ اور وہ آپ کے پروردہ تھے۔ بیوی سے ان کا نباہ نہ ہوسکا۔ انہوں نے طلاق دینے کا ارادہ کیا۔ آپ نے ان کو وہی مشورہ دیا جو ہر برادر نسبتی اپنے بہنوئی کو اور ہر سرپرست اپنے پروردہ کو دیگا۔ یعنی یہ کہ خدا کا خوف کرو اور اپنی بیوی کو طلاق نہ دو۔ مگر جب اختلاف مزاج کی بنا پر زوجین میں تنافر تھا اس کو حضرت زید خود زیادہ محسوس کرسکتے تھے۔ یہ معاملہ ان کے دین و اعتقاد کا نہیں بلکہ ان کے حیات نفس کا تھا اس لیے انہوں نے حضور کے مشورے کو قبول نہ کیا اور طلاق دے دی۔ یہ خلاف ورزی رسولِ خدا کے مقابلہ میں نہ تھی، نہ حضور نے جو مشورہ دیا تھا وہ رسول خدا کی حیثیت سے تھا۔ اس لئے نہ آپ ناراض ہوئے نہ خدا ناراض ہوا۔ اگر حضور کی جگہ کوئی اور ایسا شخص ہوتا جس نے کسی کو بچپن سے پالا ہو اور اس پر احسانات کئے ہوں اور آخر میں غلامی سے واغدار ہونے کے باوجود خود اپنی بہن سے اس کی شادی کی ہو، اور پھر اس نے باوجود منع کرنے کے اس کی بہن کو طلاق دے دی ہو، تو وہ ضرور ناراض ہوتا۔ مگر حضور صرف مربی اور صرف برادر نسبتی ہی نہ تھے بلکہ رسول خدا بھی تھے، اور رسول ہونے کی حیثیت سے یہ بھی آپ کا فرض تھا کہ انسان کو انسان کی بندگی سے آزاد کریں اور انسان کو انسان کے مقابلہ میں آزادی کا کھویا ہوا حق واپس دلوائیں، اس لیے آپ نے حکم نہیں بلکہ مشورہ دیا اور اس مشورہ کے خلاف عمل کرنے پر قطعاً کسی ناراضی کا اظہار نہ فرمایا۔ اسی سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ آپ کی ذات میں حیثیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نبوی اور حیثیت بشری الگ الگ بھی تھیں اور باہم پیوستہ بھی تھیں۔ آپ نے ان دونوں کے استعمال میں ایسا حیرت انگیز توازن قائم کیا تھا کہ ایک نبی ہی ایسے توازن پر قادر ہو سکتا ہے۔ حیثیت بشری میں بھی آپ اس طرح عمل فرماتے تھے کہ نبوت کے فرائض بھی اسی کے ضمن میں ادا ہو جاتے تھے۔

سرکارِ رسالت مآب نے جس حریتِ فکر کی تخم ریزی کی تھی، اور احکامِ الٰہی کی اطاعت کے ساتھ ساتھ انسان کے مقابلہ میں آزادیٔ رائے استعمال کرنے کا جو سبق اپنے متبعین کو خود اپنے عمل اور اپنے برتاؤ سے سکھایا تھا اسی کا یہ اثر تھا کہ صحابۂ کرام تمام انسانوں سے زیادہ احکامِ الٰہی کے اطاعت کیش اور تمام انسانوں سے زیادہ آزاد خیال و جمہوریت پسند تھے۔ وہ بڑے سے بڑے شخص کے مقابلہ میں بھی اپنی رائے کی آزادی کو قربان نہ کرتے تھے۔ ان کی ذہنیت سے یہ بات بالکل بعید تھی کہ کسی رائے کو محض اس بنا پر تنقید سے بالاتر سمجھیں کہ وہ فلاں بڑے آدمی کی رائے ہے۔ ان میں جو بڑے آدمی تھے، جن کی بڑائی کو وہ خود تسلیم کرتے تھے اور جن کی بڑائی آج ایک دنیا تسلیم کر رہی ہے، ان کی رائے کو بھی انہوں نے محض ان کی بڑائی کی بنا پر قبول نہ کیا بلکہ آزادی کے ساتھ رد بھی کیا اور قبول بھی کیا۔ خلفائے راشدین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ اس آزادیٔ رائے کے حامی تھے۔ انہوں نے اپنے آقا کی پیروی میں اس کو نہ صرف گوارا کیا، بلکہ اس کی ہمت افزائی کی، اور کبھی کسی چھوٹے سے چھوٹے آدمی سے بھی یہ مطالبہ نہ کیا کہ ہم بڑے آدمی ہیں، اس لیے ہماری بات کو بے چون و چرا تسلیم کرو۔

خلفائے راشدین کے بعد بنی امیہ اور بنی عباس نے اس حریتِ فکر کو تخویف اور اطماع، ظلم و ستم اور زرپاشی کی طاقتوں سے ہر طرح کچلنے کی کوشش کی مگر تابعین اور تبع تابعین اور ان کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعد بھی ایک مدت تک یہ روح مسلمانوں میں باقی رہی۔ ابتدائی دو تین صدیوں تک آپ کو تاریخ اسلامی میں اس کے نہایت روشن نشانات نظر آئیں گے۔ امراء اور حکام کے مقابلہ میں آزادی تو نسبتہً ایک چھوٹی چیز ہے۔ روح اور دماغ کی آزادی کا سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ انسان جس کو مقدس سمجھے، جس کی عزت و عظمت اس کے پہنائے قلب میں جاگزیں ہو، اس کی بھی اندھی تقلید سے انکار کر دے، اور اس کے مقابلہ میں بھی آزادی کے ساتھ سوچے اور آزادی کے ساتھ رائے قائم کرے۔ یہی اسپرٹ ہم کو اس دور کے اہل علم میں نظر آتی ہے۔ صحابۂ کرام سے بڑھ کر مقدس ہستیاں اور کون ہوں گی۔ اور حضرات تابعین سے بڑھ کر کس کے دل میں ان کا احترام ہوگا۔ مگر یہ لوگ آزادی کے ساتھ صحابۂ کرام کی آرا پر نقد کرتے تھے، ان کے اختلافات میں محاکمہ کرتے تھے اور ایک کی رائے کو چھوڑ کر دوسرے کی رائے کو قبول کرتے تھے۔ اختلاف صحابہ میں امام مالک کس صفائی کے ساتھ فرماتے ہیں کہ خطأ وصواب فانظر فی ذالک۔ "ان کی آرا میں خطا بھی ہے، اور صواب بھی۔ تم خود غور کر کے رائے قائم کرو" اسی طرح امام ابو حنیفہ کا ارشاد ہے احد القولین خطأ والماثم فیہ موضوع۔ "دو مختلف اقوال میں سے ایک بہر حال غلط ہوگا"۔

خود ان بزرگوں میں سے بھی کسی نے یہ نہیں کہا کہ ہم خطا سے بری ہیں، اور تم اپنی فکر و نظر کو بالکل معطل کر کے صرف ہماری رائے کی پیروی کرو۔ سیدنا ابو بکر صدیق جب کسی مسئلہ میں اپنی رائے سے کچھ فرماتے تو ساتھ ہی یہ بھی فرما دیتے کہ ھٰذا رأیی فان یکن صواباً فمن اللّٰہ وان یکن خطأً فمنی واستغفر اللّٰہ۔ "یہ میری رائے ہے۔ اگر درست ہے تو اللہ کی طرف سے ہے اگر غلط ہے تو میری خطا ہے۔ اور میں خدا سے مغفرت چاہتا ہوں"۔

حضرت عمر فرماتے ہیں۔ لا تجعلوا خطأ الرأی سنۃ للامۃ۔ "رائے کی غلطی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو امت کے لیے سنت نہ بنا لو۔"

حضرت ابن مسعود کا قول ہے الا لا یقلدن احد کم دینہ رجلا ان امن امن و ان کفر کفر فانہ لا اسوۃ فی الشر۔ "خبردار کوئی شخص اپنے دین کے معاملہ میں کسی دوسرے شخص کی اندھی تقلید نہ کرے کہ وہ مومن ہوا تو یہ بھی مومن رہا اور وہ کافر ہوا تو یہ بھی کافر ہو گیا۔ برائی اور غلطی میں کسی کی پیروی نہیں ہے۔"

امام مالک فرماتے ہیں۔ انما انا بشر اخطی و اصیب فانظروا فی رائی فکلما وافق الکتاب والسنۃ فخذوہ وکلما لم یوافق الکتاب والسنۃ فاترکوہ۔ "میں ایک انسان ہوں میری رائے غلط بھی ہوتی ہے اور درست بھی۔ تم میری رائے میں نظر کرو۔ جو کچھ کتاب و سنت کے موافق پاؤ اسے قبول کرو اور جو بات خلاف دیکھو اسے چھوڑ دو"۔ امام مالک ہی کا یہ واقعہ تاریخوں میں موجود ہے کہ خلیفہ منصور عباسی ان کی کتاب الموطا کو تمام عالم اسلامی کا دستور العمل بنانا چاہتا تھا اور اس کا خیال یہ تھا کہ تمام مذاہب فقہیہ کو موقوف کر کے صرف مذہب مالکی کو رائج کر دے مگر امام صاحب نے خود اس کو ایسا کرنے سے روک دیا۔ کیونکہ وہ دوسروں سے تحقیق اور آزادی رائے و اجتہاد کا حق سلب کرنا نہیں چاہتے تھے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں لا یحل لاحد ان یقول مقالتنا حتی یعلم من این قلنا "کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ ہمارے قول کا قائل ہوتا وقتیکہ اسے یہ معلوم نہ ہو کہ ہمارے قول کا ماخذ کیا ہے"

امام شافعی فرماتے ہیں مثل الذی یطلب العلم بلا حجۃ کمثل حاطب لیل یحمل حزمۃ حطب وفیہ افعی تلدغہ وھو لا یدری۔ "جو شخص حجت کے بغیر علم حاصل کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو رات کو لکڑیاں چن رہا ہے۔ وہ لکڑیوں کا گٹھا اٹھاتا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور اس کو خبر نہیں کہ اس گٹھے میں کہیں سانپ بھی چھپا ہوا ہے جو اس کو ڈس لے گا۔"

تقریباً تین صدیوں تک تحقیق و اجتہاد اور حریت فکر و نظر اور آزادانہ طلبِ حق کی وہ اسپرٹ مسلمانوں میں پوری شان کے ساتھ باقی رہی جس کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے متبعین میں پیدا کر گئے تھے۔ اس کے بعد امراء و حکام اور علماء و مشائخ کے استبداد نے اس روح کو کھانا شروع کر دیا۔ سوچنے والے دماغوں سے سوچنے کا حق اور دیکھنے والی آنکھوں سے دیکھنے کا حق اور بولنے والی زبانوں سے بولنے کا حق سلب کر لیا گیا، درباروں سے لے کر مدرسوں اور خانقاہوں تک ہر جگہ مسلمانوں کو غلامی کی باقاعدہ تربیت دی جانے لگی۔ دل اور دماغ کی غلامی، فکر اور نظر کی غلامی، روح اور جسم کی غلامی ان پر پوری طرح مسلط ہو گئی۔ دربار والوں نے اپنے سامنے رکوع اور سجدے کرا کے غلامانہ ذہنیت پیدا کی۔ مدرسے والوں نے خدا پرستی کے ساتھ اکابر پرستی کا زہر دماغوں میں اتارا۔ خانقاہ والوں نے "بیعت" کے مسنون طریقے کو مسخ کر کے مقدس غلامی کا وہ طوق مسلمانوں کی گردنوں میں ڈالا جس سے زیادہ سخت اور بھاری طوق انسان نے انسان کے لیے کبھی ایجاد نہ کیا ہوگا۔ جب غیر اللہ کے سامنے تا بہ زمیں سر جھکنے لگیں، جب غیر اللہ کے آگے نماز کی طرح ہاتھ باندھے جانے لگیں، جب انسان کے سامنے نظر اٹھانا بھی سوءِ ادب ہو جائے، جب انسان کے ہاتھ اور پاؤں چومے جانے لگیں، جب انسان انسان کا خداوند اور مالک اور اَن داتا بن جائے، جب انسان بذاتِ خود امر و نہی کا مختار اور کتاب اللہ و سنت رسول کے استناد سے بری قرار دیا جائے، جب انسان خطا سے پاک اور نقص سے بری اور عیب سے منزہ سمجھ لیا جائے، جب انسان کا حکم اور اس کی رائے اعتقاداً نہ سہی عملاً اسی طرح واجب الاطاعت قرار دے لی جائے جس طرح خدا کا حکم واجب الاطاعت ہے تو پھر سمجھ لیجیے کہ آپ اس دعوت سے منہ موڑ لیے گئے جو اَلَّا نَعۡبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشۡرِکَ بِہٖ شَیۡئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعۡضُنَا بَعۡضًا اَرۡبَابًا مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ کے ساتھ دی گئی تھی۔ اس کے بعد کوئی علمی، اخلاقی، روحانی، ترقی ممکن ہی نہیں۔ پستی اور زوال اس کا لازمی نتیجہ ہے۔

© rasailojaraid.com